کوثر نیازی



لمحے

کوثر نیازی

ماورا پبلشرز
۳-بہاولپور روڈ- لاہور

باذوق لوگوں کے لیے

ہماری کتابیں

خوبصورت کتابیں

تزئین و اہتمامِ اشاعت : خالد شریف

ضابطہ

ناشر : اے حسن
خطاط : محمد حسین (شاہ)
سرورق : اسلم کمال
طابع : مکتبہ جدید پریس لاہور
قیمت : ۴۰ روپے

فہرس

انتساب ،

سرِ سخن ، ۹

پیش لفظ (قدرت اللہ شہاب) ۱۱

نعتیں

۱ — مری تمام خطاؤں کو بھول کر آقا ، ۱۵

۲ — ان کے کوچے سے مرا روز گزر ہو جائے ، ۱۷

۳ — درپیش ہے پھر گنبدِ خضرا سے جدائی ، ۱۹

۴ — اتنا کیا عطا مجھے سرکار آپ نے ، ۲۰

غزلیں

۱ — اور کچھ روز ہیں ہوں دار پہ جانے والا ، ۲۳

۲ — عمر بھر دوستی نبھائی تھی ، ۲۵

۳ — خدا نصیب کرے جن کو صحبتیں میری ، ۲۶

۴ — سن کے ہر شخص کی حالت ہوئی چور دروں جیسی ، ۲۷

۵ — آسمانوں سے نہ اُترے گا پیمبر کوئی ، ۲۹

۶ — چند مرجھائے ہوئے پھول ہیں گلدانوں میں ، ۳۱

۷ — کوئی چہرہ ہوا روشن نہ منور آنکھیں ، ۳۲

۸ — جو ہم خیال نہ تھا اب وہ ہم مزاج بھی ہے ، ۳۴

۹ ۔ با نہ وہ آئے نہ مانا دلِ دیوانہ ہی ، ۳۵
۱۰ ۔ جس کی خاطر سب کچھ چھوڑا ، ۳۶
۱۱ ۔ چند لمحوں کے لیے ایک ملاقات رہی ، ۳۷
۱۲ ۔ زمیں کی گود میں بیٹھا ہمک رہا ہوں میں ، ۳۸
۱۳ ۔ جنوں ہے شرطِ تعلق پری جمالوں سے ، ۴۰
۱۴ ۔ اس نے ہر مشقِ ستم ہم پہ روا رکھی ہے ، ۴۱
۱۵ ۔ ذرا سی بات پہ کیوں اس قدر خفا ہوتا ، ۴۲
۱۶ ۔ دیکھوں جو آئینہ تو زمانہ دکھائی دے ، ۴۳
۱۷ ۔ مکڑی کے جالوں میں کب سے ، ۴۵
۱۸ ۔ ہاتھوں میں اخلاص و وفا کی ، ۴۷
۱۹ ۔ سرِ صلیب یہ کس کا بدن ہے آویزاں ، ۴۸
۲۰ ۔ ہم پہ جو اس راہ میں گزری ، ۴۹
۲۱ ۔ رنجشیں اپنی جگہ ہاتھ ملاؤ تو سہی ، ۵۱
۲۲ ۔ سلوک تجھ سے جو اب تیرے دشمنوں کا ہے ، ۵۲
۲۳ ۔ ایسا ہر اس سارگ و پے میں اُتر گیا ، ۵۳
۲۴ ۔ پھرے ہیں لالہ فام ہمارے بغیر بھی ، ۵۴
۲۵ ۔ سحر کے رُخ پہ ہے کس کس کا خون ، ۵۶
۲۶ ۔ یہ حکم ہے کہ خطاؤں کا مت شمار کرو ، ۵۷
۲۷ ۔ گرفتِ پنجۂ آشوبِ دہر میں تنہا ، ۵۸
۲۸ ۔ نہ پیرہن ہی دریدہ نہ دل شکستہ ہم ، ۵۹
۲۹ ۔ ہم کو اک حرفِ اناالحق پہ بُرا کہتی ہے ، ۶۰
۳۰ ۔ نہ کوئی لوٹ کے آیا ہے اور نہ آئے گا ، ۶۱
۳۱ ۔ درد کا شہر امنگوں کا دفینہ دیکھو ، ۶۳
۳۲ ۔ افق سے تا بہ افق سرخیوں کا ہالہ ہے ، ۶۵

۳۳ – مرنے کی تمنا میں بیزار تھے جینے سے ، ۶۶
۳۴ – میں تو از راہِ تکلف بھی نہ لوں پیار کا نام ، ۶۷
۳۵ – عرفان و آگہی کے کھلونوں ہی پہ نہ ٹال ، ۶۸
۳۶ – چھیڑ کر بیٹھ گیا پچھلی کہانی وہ بھی ، ۷۰
۳۷ – تہمت ہے ہم پہ نالۂ شب گیر وہ نہیں ، ۷۱
۳۸ – اک خندۂ دزدیدہ کی قیمت اسے سمجھو ، ۷۲
۳۹ – یاد وہ آئے بار بار آئے ، ۷۳
۴۰ – غم نہیں اس کا کہ دنیا نے نہ پہچانا مجھے ، ۷۴
۴۱ – اوقات سے بڑھ کر کوئی خواہش نہ کیا کر ، ۷۶
۴۲ – ایک دولت کے پجاری کی پرستار بھی ہے ، ۷۷
۴۳ – کسی نے چھیڑ دیا ہے جو ذکرِ دار و رسن ، ۷۹
۴۴ – میں دوں گا ترا ساتھ اگر پاؤں ہوں شل بھی ، ۸۰
۴۵ – ہر چند ترے عشق میں برباد ہوئے ہیں ، ۸۲
۴۶ – اس عہدِ ستم میں جب ہر شے پہ گرانی ہے ، ۸۳
۴۷ – دن تو دن رات کا بھی رنگ سنہرا ہوتا ، ۸۴
۴۸ – ہے تقاضائے غمِ جاں آج میخانے کو چل ، ۸۶
۴۹ – کیا حقیقت میں نہیں تھے یہ سزاوار ترے ، ۸۷
۵۰ – میں نے ہر گام اُسے اوّل و آخر جانا ، ۸۸
۵۱ – کوئی احسان کبھی مجھ پہ بھی کر کے دیکھو ، ۸۹
۵۲ – روک لیتے روک سکتے تھے اگر ، ۹۰
۵۳ – سحر کے وقت نہ اُٹھے کوئی اذاں کے لیے ، ۹۲
۵۴ – کوئی سازش نہ دشمنوں کی چلی ، ۹۳
۵۵ – پُرامن شہر میں مجھے ہل چل دکھائی دے ، ۹۴
۵۶ – سوچو تو جذبات کے عالم میں ، ۹۵

۵۷ ۔ ذہن کی تاریکی سے زباں کی ، ۹۷
۵۸ ۔ اور مجھے کیا دے سکتا ہے بس ، ۹۸
۵۹ ۔ انقلابات کی زد میں ہیں پناہیں میری ، ۱۰۰
۶۰ ۔ اک مرا خونِ جگر اک ترے رخسار کا رنگ ، ۱۰۱
۶۱ ۔ رو دھو کے آج اس کو تو آخر منا لیا ، ۱۰۳
۶۲ ۔ نذر جب میں نے اسے ہدیۂ ایمان کیا ، ۱۰۴
۶۳ ۔ تیری زلفیں، ترے رخسار، ترے لب میرے ، ۱۰۶
۶۴ ۔ راز دنیا پہ کھلا ہے یہ ترے قتل کے بعد ، ۱۰۸
۶۵ ۔ رات بھر رکھے تھے ہم نے جن کی خاطر در کھُلے ، ۱۰۹
۶۶ ۔ دیکھا ہے جب سے اس کو اسی کا خیال ہے ، ۱۱۰
۶۷ ۔ ترے فراق میں جو بارہا گزاری ہے ، ۱۱۲
۶۸ ۔ تم سے اندازِ شکایت کا جُدا رکھا ہے ، ۱۱۴

نظمیں

۱ ۔ سال گرہ کا تحفہ ، ۱۱۹
۲ ۔ درخواست ، ۱۲۲
۳ ۔ بیادِ فاروق ، ۱۲۴
۴ ۔ بحرِ مردار کے کنارے پر ، ۱۲۵
۵ ۔ ٹیلیفون پر ، ۱۲۷
۶ ۔ آج کی رات ، ۱۲۸

انتساب

اشعار کے پردے میں ہم کس سے مخاطب ہیں
وہ جان گئے ہوں گے کیوں نام لیا جائے!

سرِ سخن

اپنے پہلے مجموعۂ کلام "زرِگُل" کی اشاعت کے کئی سال بعد اپنی شاعری کا یہ نقشِ ثانی پیش کر رہا ہوں، بیچ میں ایک زمانہ تو ایسا آیا کہ لگتا تھا میرے اندر شعر گوئی کے سوتے خشک ہو گئے ہیں، عملی زندگی کے تقاضوں نے اتنا اُلجھائے رکھا کہ اس جانب متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ مل سکی مگر بعد میں بعض حادثات و واقعات نے مہمیز کا کام کیا اور سوئی ہوئی صلاحیت پھر سے کروٹیں لینے لگی۔

جن قارئین نے "زرِگُل" کا مطالعہ کیا ہے وہ " لمحے " اور اس کی شاعری میں کافی فرق محسوس کریں گے، " لمحے " کو "زرِگل" کی شاعری کا ارتقا بھی کہہ سکتے ہیں مگر صحیح تر بات یہ ہے کہ " زرِگُل " نظریہ تھا اور " لمحے " عمل، "زرِگل" میں غمِ جاناں سے لے کر غمِ دوراں تک جس موضوع پر بھی کچھ کہا گیا ہے اس کی حیثیت ایک نظریاتی مطالعہ کی سی ہے، اوائل عمر میں اس سے زیادہ گہرائی کی توقع بھی نہیں نہیں کی جاسکتی تھی مگر " لمحے " کے دور تک پہنچتے پہنچتے مجھے زندگی کو، اس کے

تمام تلخ و شیریں پہلوؤں کے ساتھ دیکھنے کا بھرپور موقع ملا ہے، غمِ دوراں کے تھپیڑے بھی سہے ہیں اور غمِ جاناں کے جاں گسل تجربوں سے بھی گزرا ہوں، یوں سمجھیے کہ "زرِگل" کی شاعری جگ بیتی ہے اور " لمحے " کی شاعری آپ بیتی۔

اس کے لہجے اور پیرائے ہیں، میں نے کچھ نئے اسلوب بھی اپنائے ہیں، (بلکہ اگر اسے فن کارانہ تعلّی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اردو شاعری کو بعض نئے اسلوب دینے کی بھی کوشش کی ہے) اب اس میں میں کہاں تک کامیاب ہُوا ہوں یہ دیکھنا اربابِ نقد و نظر کا کام ہے۔

کوثر نیازی

اسلام آباد
یکم جون ۱۹۸۴ء

پیش لفظ

"زرِگل" کی اشاعت کے بعد مولانا کوثر نیازی سیاست اور وزارت کی ہمہ وقتی مصروفیات میں اس قدر الجھے رہے کہ ان کے اپنے الفاظ میں

کوثر کہ ایک شاعرِ شیریں سخن بھی تھا
مدّت ہوئی وزیر بنا اور مر گیا

لیکن پھر حالات نے کروٹ لی اور ایسی کروٹ لی کہ

کہاں گئے مری مصروف ساعتوں کے رفیق
صدائیں دیتی ہیں اب ان کو فرصتیں میری

" لمحے " انہی فرصتوں کا خوشگوار نتیجہ ہے۔

" زرِگل " سے " لمحے " تک مولانا کے فن، احساس، تجربات اور مشاہدات نے کئی نئی منزلیں طے کی ہیں۔ ان کی تازہ غزلوں میں معاصرانہ ماحول کی بے اعتنائی، بے اعتمادی تغیر پذیری اور احساسِ محرومی کا رنگ خاص طور پر نمایاں ہے، کچھ پا کر کھو بیٹھنے سے دل کے آبگینوں کو جو ٹھیس پہنچتی ہے اس کی کسک بھی موجود ہے، اور سود و زیاں کے پیچ وخم میں انصاف اور اخلاق کے تقاضوں پر جو بوجھ پڑتا ہے اس کی طرف بھی کچھ چبھتے

ہوئے اشارے ہیں، کئی لحاظ سے یہ غزلیں اپنے داخلی اور خارجی ماحول کا دستاویزی مرقع ہیں۔

ان تمام احساسات کے باوجود خیال اور بیان میں تلخی کا نشان کہیں نہیں اُبھرتا اور نہ ہی کہیں مایوسی، ناامیدی، شکست پسندی یا مرعوبیت کے آثار سر اٹھاتے ہیں اس کے علاوہ خوش امیدی اور رجائیت بھی خواہ مخواہ اپنے ڈیرے نہیں ڈالتی، البتہ ایک لطیف سے عزم کا وجود کئی جگہ نمایاں ہے، یہ عزم نعرہ بازی کی صورت کسی مقام پر اختیار نہیں کرتا، بلکہ ہر جگہ تغزّل کے رنگ ہی میں ظہور پکڑتا ہے۔

مقصدیت، معنویت اور شعریت کے خوبصورت امتزاج کے لحاظ سے یہ مجموعہ مولانا کوثر نیازی کے دائرۂ خیال اور پیرایۂ اظہار کے ایک نئے دور کا مظہر ہے، جس کتاب میں 'بحرِ مُردار کے کنارے پر' جیسے حساس اور فکر انگیز فن پارے ہوں وہ یقیناً ہمارے ادب میں ایک گراں قدر اضافے کا باعث ہوگی۔

قدرت اللہ شہاب

نعتیں

مری تمام خطاؤں کو بھول کر آقاؐ
یہ اشک ہائے ندامت قبول کر آقاؐ

سیاہیوں کا تسلّط ہے قریۂ جاں پر
پھر آج دل کے حرا میں نزول کر آقاؐ

یہاں میں راہ سے اکثر بھٹک ہی جاتا ہوں
مجھے تُو اپنی ہی گلیوں کی دُھول کر آقاؐ

یہ جان تیری عطا ہے یہ جسم تیرا کرم
اب اپنا قرض کسی دن وصول کر آقاؐ

نہ دوستوں میں وفا ہے نہ دشمنوں میں حیا
انھیں عطا وہی کہنہ اصول کر آقاؐ

ہے آج درپئے جاں آتشِ غم و آلام
نگاہِ لطف سے شعلوں کو پھول کر آقاؐ

مرا تمام اثاثہ یہ چند لفظ ہی تھے
انھی کو بابِ کرم میں قبول کر آقاؐ

ترستا ہے ترا کوثرؔ نیاز کو تیرے
دلِ حزیں کو نہ اور اب ملول کر آقاؐ

○

ان کے کوچے سے مرا روز گزر ہو جائے
عمر تھوڑی ہو سلیقے سے بسر ہو جائے

مری فریاد میں اتنا تو اثر ہو جائے
آنکھ سے اشک جو ٹپکے تو گہر ہو جائے

ان کی رحمت ہو تو طوفان بھی ہو ساحل بکنار
وہ مخالف ہوں تو ہر موج بھنور ہو جائے

ملک الموت! میں حاضر ہوں مگر اتنا کرم
اور اک بار مدینے کا سفر ہو جائے

جالیوں کا رخِ روشن سے جو اُٹھ جائے نقاب
شبِ ظلمات بھی تابندہ سحر ہو جائے

تیری عظمت کی جھلک دیکھ کے معراج کی رات
کب سے جبریل کی خواہش ہے بشر ہو جائے

میں غلامِ شہِ والا ہوں مجھے کیا غم ہے
دشمنوں کو مرے بس اتنی خبر ہو جائے

درِ عالی پہ کئی دن سے پڑا ہے کوثرؔ
اب تو آقا کوئی رحمت کی نظر ہو جائے

○

[دربارِ رسالت میں رخصت کے وقت
بے ساختہ یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے]

درپیش ہے پھر گنبدِ خضرا سے جدائی
اے سرورِ عالمؐ! تری رحمت کی دُہائی

صد شکر ہوں جاروب کشِ روضۂ اقدس
شاہی سے سوا ہے مجھے اس در کی گدائی

مجھ سا کوئی مجرم تری امت میں نہیں ہے
تو رحمتِ کونین ہے شاہد ہے خدائی

میں شکل نہ دیکھوں گا کبھی بادِ صبا کی
پیغام جو ہر سال یہ طیبہ سے نہ لائی

دربار میں رخصت کو گنہگار کھڑا ہے
للہ نظر اے کہ کریمانہ ادائی!

○

اتنا کیا عطا مجھے سرکارؐ آپ نے
اُترا خود آسمان مرے قد کو ماپنے
جو کر دیا حضورؐ نے کوثرؔ کی ذات پر
اتنا کرم کیا نہ کبھی اس کے باپ نے

غزلیں

○

اور کچھ روز میں ہوں دار پہ جانے والا
ہے کوئی رسمِ وفا مجھ سے نبھانے والا

سب سے آگے نکل آیا ہے پئے سنگ زنی
رات دن گیت مرے پیار کے گانے والا

جبر ہے پھر سے طلب گار نیاز و تکریم
ہے کوئی زہر کا پیمانہ اُٹھانے والا؟

دیکھ رہ جائے گا سرمایۂ عبرت بن کر
وہ غریبوں پہ ستم نت نئے ڈھانے والا

کب تک اربابِ ستم راہ مری روکیں گے
میں صداقت ہوں مرا وقت ہے آنے والا

بعد از قتل بھرے شہر میں ہوگا کوثر
کوئی چہرہ نہ ترا سوگ منانے والا

مری (زیرِ حراست)
۱۱، ۷، ۷۷

○

عمر بھر دوستی نبھائی تھی جس نے خود اپنے دشمنوں سے بھی
آج دیکھا اسے گرفتہ دل چند بے کار الجھنوں سے بھی

فکرِ بربادیٔ چمن پہلے کارِ گل چیں شمار ہوتا تھا
خیر سے قتلِ گل کی تجویزیں آئی ہیں اب سے گلشنوں سے بھی

تیرے قدموں کی چاپ سے اک دن گونج اُٹھے تھے میرے ویرانے
آ رہی ہے وہی صدا اب تک دل کی بے ربط دھڑکنوں سے بھی

اب تری بے وفائی کا اے دوست کیسے دل کو مرے یقیں آئے
میں نے دیکھا ہے جھانکتے خود کو تیری پلکوں کی چلمنوں سے بھی

کل ہماری سیاہ بختی پر مسکراتے رہے جو گھر کوثر
دھوپ سنتے ہیں کچھ گریزاں ہے آج کل ان کے آنگنوں سے بھی

مری ۱۵، ۷، ۷۷

○

خدا نصیب کرے جس کو صحبتیں میری
نہ بھول پائے کبھی وہ حکایتیں میری

کہاں گئے مری مصروف ساعتوں کے رفیق
صدائیں دیتی ہیں اب ان کو فرصتیں میری

تمام شہر گریزاں ہے آج کل جیسے
کسی کے نام نہ لگ جائیں تہمتیں میری

خدا کا شکر کہ میں خود شناس ہوں ورنہ
سمجھتا کون پُر اسرار عادتیں میری

میں اپنی ذات کے صحرا میں کھو گیا کوثرؔ
مری نظر سے بھی اوجھل ہیں وسعتیں میری

○

سُن کے ہر شخص کی حالت ہُوئی چور وں جیسی
میرے لہجے میں کوئی بات تھی سچّوں جیسی

تُو کہ ہے خارِ صفت اس کی تمنّا مت کر
وہ تو ہے صبحِ بہاراں کی ہواؤں جیسی

میں سسکتا ہوں کسی برگِ خزاں کی مانند
اس کی آواز ہے کھلتے ہُوئے پھُولوں جیسی

کون گہرائی میں جانے کا تکلّف کرتا
خشک باتیں ہیں نصابوں کی کتابوں جیسی

لوگ منہ پھیر کے گزرے تو خطا کیا ان کی
اپنی صورت بھی ہے اُجڑے ہُوئے شہروں جیسی

کارناموں پہ کرو غور تو نفرت ہو جائے
شکل اُس شخص کی دیکھو تو فرشتوں جیسی

جس کی چاہت نے بنایا ہمیں شاعر کوثرؔ
ایک معصوم سی ہے شکل وہ حوروں جیسی

○

آسمانوں سے نہ اُترے گا پیمبر کوئی
رہنما تہ سے نہ اُگلے گا سمندر کوئی

منتخب اب بھی ہمیں لوگوں کو کرنا ہوگا
اب وہ رہزن ہو کہ ملّت کا ہو رہبر کوئی

اس کی آواز ہے خالق کی مشیّت گویا
اس کی مخلوق سے منصف نہیں بہتر کوئی

اس نے شب خوں تو لُٹے شہر پہ مارا تھا مگر
دولتِ درد سے خالی نہ ملا گھر کوئی

لے
۳۰

آہنی بُت کی طرح اب بھی کھڑا ہوں لیکن
ٹوٹ کر رہ گیا جیسے مرے اندر کوئی

رات بھر شہر میں چیخیں سی سُنائی دی ہیں
کس قدر شور تھا لیکن نہ کھلا در کوئی

ہفت افلاک کے پردوں میں نہ ہوگی کوثرؔ
چادرِ خواہرِ شبیرؓ سی چادر کوئی

○

چند مرجھائے ہوئے پھول ہیں گلدانوں میں
رنگ پہلا سا کہاں اب مرے افسانوں میں

ان پہ کیا بیت گئی اب کے خدا خیر کرے
ہوشمندوں کے سے آثار ہیں دیوانوں میں

کب تک اس طرح مداوائے الم دل زدگاں
مے نہیں زہر بھرو آج تو پیمانوں میں

تیل ڈالا کہ لہو تجھ کو غرض کیا اس سے
روشنی ہو تو گئی تیرے شبستانوں میں

حکمرانوں سے کہو ہوش میں آئیں کوثرؔ
ہم بھی بیٹھے تھے کبھی ایسے ہی ایوانوں میں

○

کوئی چہرہ ہُوا روشن، نہ منوّر آنکھیں
آئنہ دیکھ رہی تھیں مری پتھر آنکھیں

تُو نگاہوں کی زباں خوب سمجھتا ہوگا
تیری جانب تو اُٹھا کرتی ہیں اکثر آنکھیں

لوگ ٹکرا کے در و بام سے مرتے نہ اگر
دیکھ لیتے وہ کہیں تیری سمندر آنکھیں

پھُوٹ نکلیں تو کئی شہرِ تمنّا ڈوبے
ایک قطرے کو ترستی ہُوئی بنجر آنکھیں

لمحے
۳۳

یہ شرارت بھرا لہجہ تو مِری عادت ہے
تُو ہر اک بات پہ یوں نم نہ کیا کر آنکھیں

میں زباں پر تو بٹھا سکتا ہوں پہرے لیکن
راز کہہ دیں گی یہ ویران سی ششدر آنکھیں

کور چشموں نے اسی شخص کو اندھا سمجھا
بانٹتا پھرتا تھا جو شہر میں کوثر آنکھیں

○

جو ہم خیال نہ تھا اب وہ ہم مزاج بھی ہے
قدم قدم پہ مگر امتحان آج بھی ہے

خدا سے مانگ ہی لیں گے تجھے، مگر ہم نے
خدا کے بعد، سُنا ہے کوئی سماج بھی ہے

وہ بدلحاظ ستم گر ہے بے وفا ہے بہت
مگر یہ کیا ہے کہ دل پر اسی کا راج بھی ہے

خیالِ جاہ بجا ہے ہوائے زر بھی درست
تمھارے دل میں کچھ اپنے وطن کی لاج بھی ہے؟

نہیں ہیں کھیل سیاست کے مرحلے کوثرؔ
گلے میں پھول ہیں، کانٹوں کا سر پہ تاج بھی ہے

○

باز وہ آئے نہ مانا دلِ دیوانہ ہی
حسبِ معمول ملا کرتے ہیں روزانہ ہی

ناصحو! چارہ گرو وقت نہ برباد کرو
ایسے دیوانے کو بہتر ہے نہ سمجھانا ہی

ہائے کس جرم کی پاداش ہے یہ دربدری
گھر ہی راس آیا نہ آیا کوئی ویرانہ ہی

ساتھ میرے رہی بس ایک مری تنہائی
کوئی اپنا تھا زمانے میں نہ بیگانہ ہی

شکر صد شکر ملی منزلِ جاناں کوثر
اپنا مقصود تو مسجد تھی نہ مے خانہ ہی

جس کی خاطر سب کچھ چھوڑا یارو یہ وہ شہر کہاں
اس جیسی شکلیں تو ہزاروں لیکن وہ بے مہر کہاں

ہم زندہ دل زندہ دل میں ان کی تمنّا بھی زندہ!
تجھ میں لیکن زور وہ پہلا سا آشوبِ دہر کہاں

ہم نے دیکھے ہیں ہنگامے دار کے بھی اور پیار کے بھی
ہم سے پوچھو بات کہاں پر پیتے ہیں اور زہر کہاں

اس کے تصوّر میں آوارہ پھرتے ہیں کوثرؔ صاحب
ہوش نہیں کہ صبح کہاں تھے رات کے پچھلے پہر کہاں

○

چند لمحوں کے لیے ایک ملاقات رہی
پھر نہ وہ تُو نہ وہ مَیں اور نہ وہ رات رہی

کرّۂ ارض نے دیکھا ہی نہ تھا وہ خورشید
جس کی گردش میں شب و روز مری ذات رہی

اب تو ہر شخص اُجالوں میں کھڑا ہے عریاں
کون سی شکل پسِ پردۂ ظلمات رہی

سرد مہری مرے لہجے میں بھی ہوگی لیکن
تجھ میں خود بھی تو نہ پہلی سی کوئی بات رہی

حالِ دل اس کو سُنا کر ہے بہت خوش کوثرؔ
لیکن اب سوچ ذرا کیا تری اوقات رہی

○

زمیں کی گود میں بیٹھا ہمک رہا ہوں میں
فلک پہ چاند کی جانب لپک رہا ہوں میں

نہیں ہے اپنی زمیں کی کوئی خبر لیکن
خلا میں دُور کسی شے کو تک رہا ہوں میں

نہا گیا ہوں خود اپنے لہو میں سر تا پا
جنوں کی آگ میں لیکن دہک رہا ہوں میں

اگرچہ ظلمتِ شب میں کمی نہیں آئی
مثالِ ماہِ درخشاں چمک رہا ہوں میں

ہر ایک سمت بدلتی رُتوں کا ماتم ہے
شگفتہ غنچے کی صورت چٹک رہا ہوں میں

پرکھنے والے مجھے دیکھ اِس طرح بھی ذرا
اگر ہے کھوٹ تو کیسے چمک رہا ہوں میں

گری ہی جاتی ہے دیوارِ گریہ ہر لحظہ
کسی کی آنکھ سے شاید ڈھلک رہا ہوں میں

تمام شہر نے دیدار کر لیا کوثرؔ
اب اپنی لاش کے چہرہ کو ڈھک رہا ہوں میں

جنوں ہے شرطِ تعلّق پری جمالوں سے
وفا کی بات نہ کر عقل کے حوالوں سے

جو دیکھتی ہیں پہاڑوں کو راہ میں حائل
برسنے لگتی ہیں چنگاریاں کدالوں سے

نہ جانے کون انھیں صبح کی خبر دے گا
کرن کرن کو عداوت ہے شب کے پالوں سے

وہ معذرت بھی سلیقے سے آج کر نہ سکا
اُلجھ کے میرے پریشاں کُن سوالوں سے

خدا نے جب تجھے توفیقِ اتفاق نہ دی
تُو اختلاف تو کر تُو مرے خیالوں سے

○

اس نے ہر مشقِ ستم ہم پہ روا رکھی ہے
ہم نے آواز بھی سینے میں دبا رکھی ہے

قتل گاہوں میں لہو اپنا نچھاور کر کے
شمعِ انصاف کی لَو ہم نے بڑھا رکھی ہے

کہیں بکھری ہیں کتابیں کہیں مَیلے کپڑے
گھر کی حالت ہی عجب ہم نے بنا رکھی ہے

اپنے وحشت زدہ کمرے کی اک الماری میں
تیری تصویر عقیدت سے سجا رکھی ہے

ہم کسی بات کا شکوہ نہ کریں گے کوثرؔ
مُہر ہونٹوں پہ خموشی کی لگا رکھی ہے

ذرا سی بات پہ کیوں اس قدر خفا ہوتا
اگر وہ میری محبّت سے آشنا ہوتا

اگر چراغ بکف ہو کے سب نکل آتے
طلسمِ شب تو کبھی کا بکھر چکا ہوتا

حیات و موت پہ ہوتی جو دسترس اس کی
تو میرے دوستو! میں کب کا مر چکا ہوتا

جو میں بھی رات کو دن، دن کو رات کہہ سکتا
تمام شہر مرا آج ہم نوا ہوتا

دلِ خراب! تُو اتنا تو زود رنج نہ تھا
بچھڑ ہی جاتا وہ سچ مچ اگر تو کیا ہوتا

○

دیکھوں جو آئنہ تو زمانہ دکھائی دے
اپنا کسی طرف نہ ٹھکانہ دکھائی دے

اک بُوند کے لیے بھی ترستی ہیں بستیاں
بادل بلندیوں پہ روانہ دکھائی دے

مصلوب کوئی بھی ہو مگر اہلِ درد کو
ہر رُخ سے اپنی ذات نشانہ دکھائی دے

گو بات ایک سانس کے رُکنے کی ہے مگر
مشکل حصار توڑ کے جانا دکھائی دے

اِک میں ہی اُن کے لطف کا مارا ہُوا نہیں
دیکھوں جسے رفیق پرانا دکھائی دے

کونز ہے آج ایسے حقائق کا سامنا
جو دن گزر گیا وہ فسانا دکھائی دے

○

مکڑی سے جالوں میں کب سے قید ہیں روشن دان مرے
ہائے کیا سوچیں گے گھر کو دیکھ کے کل مہمان مرے

اب کے برس تو دل کی زمیں پر آگ فلک سے برسی ہے
فکر کی گندم کے دانوں سے خالی ہیں کھلیان مرے

میری زباں پر مصلحتوں کے پہرے ہیں تو پھر کیا ہے
حق کے علمبردار ہیں اب بھی مزدور و دہقان مرے

آج حصارِ دار و رسن میں ہوں پر آنے والا دن
شہر کی دیواروں پر چسپاں دیکھے گا فرمان مرے

شکل و شباہت میں بیشک کچھ فرق ذرا سا تھا ورنہ
لگتے تو مسیحا بھی انسان اور قاتل بھی انسان مرے

بر سرِ عام اقرار اگر ناممکن ہے تو یوں ہی سہی
کم از کم ادراک تو کر لے گُن بے شک مت مان مرے

کل تک تو میرے آنگن میں رقصِ بہاراں تھا لیکن
آج ترستے ہیں کاغذ کے پھولوں کو گلدان مرے

○

ہاتھوں میں اخلاص و وفا کی لاش اٹھائے پھرتے ہیں
سینے میں ارمانوں کا اک شہر بسائے پھرتے ہیں

آوارہ ہیں لیکن اب اتنے بھی نہیں ہیں جتنے کل
بیتے دنوں کی یادوں کا بس بوجھ اُٹھائے پھرتے ہیں

کس کو بتائیں کیوں جلتی دوپہروں میں ہم دیوانے
چاک گریباں، ماتھے پر بالوں کو گرائے پھرتے ہیں

خوف ہے اس کا وہ نظارہ آنکھ سے گر جائے نہ کہیں
ان سے مل کر اب ہر اک سے آنکھ چرائے پھرتے ہیں

جو نہ کیے تھے خوابوں میں بھی کوثرؔ اپنے سینے پر
ان سنگین جرائم کی فہرست سجائے پھرتے ہیں

○

سرِ صلیب یہ کس کا بدن ہے آویزاں
کہ آج محوِ طرب ہے ہجومِ خود غرضاں

الٰہی خیر! یہ کس زلزلے کی آمد ہے
مری زمیں ہی نہیں کائنات ہے لرزاں

متاعِ دل کے عوض درد مانگنے والو!
یہ جنس شہر میں ہے آج کل بہت ارزاں

حضورِ داورِ محشر نظر اُٹھا نہ سکے
یہاں جو اپنے تقدس پہ تھے بہت نازاں

اب اس قدر بھی تردّد نہ کر کہ کافی ہے
بس ایک سنگ سرِ شہرِ آئنہ سازاں

○

ہم پر جو اس راہ میں گزری تم کو اب بتلائیں کیا
پہلے ہی سے شرمندہ ہیں اور احسان اُٹھائیں کیا

ہم اپنے انجام سے واقف تم سے زیادہ ہیں لیکن
جو ہونا ہے دیکھا جائے گا یوں ہی گھبرائیں کیا

پاؤں میں اس کی یادوں نے زنجیریں سی پہنا دی ہیں
صبح کی سیر کو نکلیں کیسے شام کو فلم پہ جائیں کیا

پاک وطن کی قوسِ قزح کا حسن نہ جس نے دیکھا ہو
سندھ کی رومانی شاموں کا لطف اسے سمجھائیں کیا

سوئٹزرلینڈ کو جانے والے طیارے سے کہتی تھیں
کوئٹہ اور کاغان سے آنے والی سرد ہوائیں کیا

ہم نے وزیری میں بھی فقیری کر کے دکھائی ہے کوثرؔ
لیکن جب اقبالؔ نہیں تو اور کسی کو سنائیں کیا

○

رنجشیں اپنی جگہ ہاتھ ملاؤ تو سہی
یہ کہ اک رسمِ زمانہ ہے نبھاؤ تو سہی

عافلو! دیدہ ورو! خوش خبرو! چارہ گرو!
میری بگڑی ہوئی تقدیر بناؤ تو سہی،

آرزو ہوگی ہزاروں کو تمھاری لیکن
چاہنے والا کوئی ہم سا دکھاؤ تو سہی

آپ بھر جائے گا ہر زخم جدائی دل کا
تم کسی روز ذرا ہنس کے بلاؤ تو سہی

ہم نے مانا کہ بلا نوش نہیں ہے کوثرؔ
اپنی آنکھوں سے کبھی اس کو پلاؤ تو سہی

○

سلوک تجھ سے جواب تیرے دشمنوں کا ہے
نہ جانے کب سے مرے ساتھ دوستوں کا ہے

بدلتے دیکھ رہا ہوں میں اَن گنت چہرے
ہجوم میری ہر اک سمت قاتلوں کا ہے

یہاں کبھی نہ کرے کوئی علم کی تعریف
رہے خیال کہ یہ شہر جاہلوں کا ہے

گیا ہے جب سے وہ ملکِ سخن کا شہزادہ
عجیب حال محلّے کی لڑکیوں کا ہے

یہاں کسی سے امیدِ وفا نہ کر کوثر
یہی سمجھ لے کہ یہ دور پتھروں کا ہے

○

ایسا ہراس سارگ وپے میں اُتر گیا
میں راستے میں اپنے ہی سائے سے ڈر گیا

دیکھا انھیں تو راہ میں یہ سوچ سی رہی
کترا کے آج کون یہ مجھ سے گزر گیا

ویسے تو دیکھنے میں بہت کم سخن لگا
بولا تو آج مجھ کو بھی حیران کر گیا

رہتا تھا اک عجب سا جنوں دل کے آس پاس
اب ڈھونڈتا ہوں میں اسے جانے کدھر گیا

کوثرؔ کہ ایک شاعرِ شیریں سخن بھی تھا
مدّت ہوئی وزیر بنا اور مر گیا

○

پھرتے ہیں لالہ فام ہمارے بغیر بھی
برپا ہے جشنِ عام ہمارے بغیر بھی

اب ہم نہیں تو کون سی اُفتاد آ گئی
جاری ہیں سارے کام ہمارے بغیر بھی

ہم سے بچھڑ کے اس کو بھلا کیوں ملال ہو
رنگیں ہے اس کی شام ہمارے بغیر بھی

اس کی نگاہ نے تو سرِ بزمِ دشمناں
چھلکائے ہوں گے جام ہمارے بغیر بھی

کیا صبح و شام کے ہیں وہی سلسلے ابھی
اے عصرِ تیز گام! ہمارے بغیر بھی

کوثر سُنا ہے کوئی پکارا کیا ہمیں
لے کر ہمارا نام، ہمارے بغیر بھی

○

سحر کے رُخ پہ ہے کس کس کا خوں حساب تو دے
شبِ سیاہ کے پالے ہوئے جواب تو دے

ہر ایک عیب سجا ہے ہمارے چہرے پر
نہیں ہے عدل تو یارب کوئی نقاب تو دے

مرے ہی پاؤں ہیں کیوں آبلوں کی بستی میں
مرے خدا کوئی ساتھی کوئی رکاب تو دے

جہالتوں کے نگر میں اُداس پھرتا ہوں
کوئی قلم کوئی کاغذ کوئی کتاب تو دے

مسافتوں کی طوالت تھکا گئی یا رب!
کوئی فریبِ نظر دے کوئی سراب تو دے

○

یہ حکم ہے کہ خطاؤں کا مت شمار کرو
جو حق کی بات کرے اس کو سنگسار کرو

نہیں ہے سرو و سمن کا بھی امتیاز کوئی
جو سرکشیدہ نظر آئے اس پہ وار کرو

وفائے عہد کی نوبت ابھی نہیں آئی
تڑپ تڑپ کے جیو اور انتظار کرو

نہیں ہے تابِ سماعت بھی ماسوا کے لیے
کرو تو ہمنفسو! ہم سے ذکرِ یار کرو

یہاں متاعِ ہنر ہے فضول شے کوثرؔ
خدا کے واسطے کچھ اور کاروبار کرو

○

گرفتِ پنجۂ آشوبِ دہر میں تنہا
میں زندگی کی علامت ہوں شہر میں تنہا

زمانہ جان بلب اور میں ہوں سرگرداں
تلاشِ نسخۂ تریاقِ زہر میں تنہا

نہ تھا شعور کہ لازم ہے اک رفیقِ سفر
میں چل پڑا تھا کسی اور لہر میں تنہا

خبر بھی ہے مری کشتی کے ناخداؤں کو
مَیں بہ رہا ہوں مصائب کی نہر میں تنہا

ملا سراغ جو کوئی نہ روشنی کا کہیں
جلا ہوں انجمنِ ماہ و مہر میں تنہا

○

نہ پیرہن ہی دریدہ نہ دل گرفتہ ہم
گزر گیا یونہی سر سے غموں کا ہر موسم

جو دب گئی مری آواز تو نہیں کچھ غم
فضا میں کھل گئے لاکھوں صداؤں کے پرچم

جدا ہوئی سو ہوئی پر نہ جھک سکی گردن
بلا سے ہاتھ کٹے گر سکے مگر نہ علم

رہِ وفا میں کسی نے دیا نہ ساتھ مگر
نہ دل اُداس رہا مستقل نہ آنکھیں نم

زمیں پہ ایک کلی بھی نہیں کھلی کو ثر
یہ اور بات کہ روئی ہے رات بھر شبنم

○

ہم کو اک حرفِ اَنا الحق پہ بُرا کہتی ہے
وہی مخلوق جو ہر بُت کو خدا کہتی ہے

میری پلکوں پہ لرزتے ہوُے تارے مت دیکھ
تیری آواز کی لرزش تجھے کیا کہتی ہے

خود اُسے یاد نہیں عہدِ محبت لیکن
مجھ کو بیگانۂ پیمانِ وفا کہتی ہے

تم کو کیوں جرم کے احساس نے مارا کوثرؔ
جسم کے پیار کو دنیا تو روا کہتی ہے

○

نہ کوئی لَوٹ کے آیا ہے اور نہ آئے گا
مگر ستارۂ مژگاں کہ جھلملائے گا

گمان دل کو ہُوا ہے ہر ایک آہٹ پر
کہ جیسے اب کوئی دروازہ کھٹکھٹائے گا

نہ تھا خیال زمانہ بدل بھی سکتا ہے
جو تھا حیات کی راحت وہ دل دُکھائے گا

اُداس کر کے مجھے تُو چلا تو ہے لیکن
مرا خیال تجھے بھی بہت ستائے گا

لپٹ کے تیرے خیالوں سے میں تو سوتا ہوں
مگر تجھے بھی تصوّر مرا جگائے گا

نہ ہوگا شہر میں موجود جب وہی کوثرؔ
تو کوئی کس کے لیے انجمن سجائے گا

○

درد کا شہر امنگوں کا دفینہ دیکھو
دیکھنے والو! مرا دل مرا سینہ دیکھو

شورشِ دہر میں بھی لُٹ نہ سکا چھن نہ سکا
میری تابندہ صداؤں کا خزینہ دیکھو

جن کے دم سے ہے حریمِ سخن اب تک روشن
ان دمکتی ہوئی یادوں کا دفینہ دیکھو

مجھ کو کچھ دیر میں غرقاب سمجھنے والو!
کیسے طوفاں سے نکلتا ہے سفینہ دیکھو

سب میں شامل بھی مگر سب سے جداگانہ بھی
جینے والو! مرے جینے کا قرینہ دیکھو

جیسے خورشید کی اک ایک کرن آتی ہے
ایسے طے کرتے ہیں ہم عمر کا زینہ دیکھو

ایک مہ بعد ہے دیدار کا وعدہ کوثرؔ
جانے کب ختم ہو یہ ایک مہینہ دیکھو

○

افق سے تا بہ افق سرخیوں کا ہالہ ہے
فضا میں جیسے کسی نے لہو اُچھالا ہے

قدم قدم پہ ہیں مجبوریوں کے تار یہاں
یہ شہر ہے کہ کوئی مکڑیوں کا جالا ہے

سحر کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے والو!
خمارِ آخرِ شب ٹوٹنے ہی والا ہے

نہیں ہے تیرہ شبی سے مفاہمت ممکن
ہماری منزلِ مقصود تو اُجالا ہے

یہاں تو رہ میں اچھلتی ہیں پگڑیاں کوثرؔ
یہ آج تُو نے قدم گھر سے کیوں نکالا ہے

○

مرنے کی تمنا میں بیزار تھے جینے سے
افسوس کہ مرنا بھی آیا نہ قرینے سے

ہم اپنی طرف سے تو ہر غم کو بھلا دیتے
اک شکل ابھر آئی یادوں کے دفینے سے

پیکر میں مرے اتنا رچ بس سا گیا ہے وہ
بُو اس کے بدن کی سی آتی ہے پسینے سے

مدت سے نہیں دیکھا اس کو تو کہیں لیکن
آواز یہ آتی ہے کس کی مرے سینے سے

کیا رحمتِ یزداں ہے اک ڈوبنے والے پر
کترا کے گزرتی ہیں لہریں بھی سفینے سے

○

میں تو از راہِ تکلّف بھی نہ لوں پیار کا نام
دل مگر آج بھی ڈھونڈے اسی دلدار کا نام

ہم نہ ہوتے تو رقم کون یہ قصّے کرتا
ہم سے تابندہ ہے تیرے لب و رخسار کا نام

فکرِ فردا سے پریشاں ہوں کہ آنکلا ہے
حلقۂ چارہ گراں میں ترے بیمار کا نام

ضبط کی آگ سے نکلا ہوں میں کندن بن کر
آہن و سنگ پڑا ہے مرے کردار کا نام

جانے کیوں اب کے برس ہے یہ خموشی کوثر
کسی مقتل کی کہانی نہ کسی دار کا نام

○

عرفان و آگہی کے کھلونوں ہی پہ نہ ٹال
اب مجھ کو زندگی کے جہنّم سے بھی نکال

سینے پہ تیرے مجھ کو خدا نے دیا ہے پھینک
تُو اے زمین ! مجھ کو خدا کی طرف اچھال

ہم زندگی کو بھی نہ کوئی نام دے سکے
لوگوں نے موت تک کو یہاں کہہ دیا وصال

جو حادثہ ہُوا وہ ہُوا اتفاق سے
اس میں مرا ہُنر ہے نہ تیرا کوئی کمال

تجھ سے مرا مذاق کا رشتہ کبھی نہ تھا
وہ مرتبہ نہ دے جو نہ ہو میرے حسبِ حال

اس دوریوں کے عہد میں ان کا تو ذکر کیا
کوثرؔ بھلا دیئے ہیں خود اپنے ہی خد و خال

○

چھیڑ کر بیٹھ گیا پچھلی کہانی وہ بھی
رنجشوں ہی میں کٹی شام سہانی وہ بھی

اپنے ماضی کی روایات پہ شرمندہ تھا
چھیڑتا کیسے کوئی بات پرانی وہ بھی

تھا طبیعت میں مرا پیار بھی صحرا کی طرح
اور سمندر پہ برستا ہُوا پانی وہ بھی

نقدِ جاں لے کے پھریں شہر میں ناصح کوثرؔ
دیکھ لیں گر مرے قاتل کی جوانی وہ بھی

○

تہمت ہے ہم پہ نالۂ شب گیر وہ نہیں
کیسے کہوں کہ حسن کی تنویر وہ نہیں

اس چشمِ نیم باز کا یہ بھی بدل سہی
یارو! مگر شراب میں تاثیر وہ نہیں

سرگشتگی کا پھر وہی عالم ہے آج کل
صحرا وہی ہے پاؤں کی زنجیر وہ نہیں

دیکھو نہ دوستو مجھے حیرت سے اس طرح
میں اب بھی ہوں وہی مری تقدیر وہ نہیں

کوثر میں اب بھی دیر سے آتا ہوں گھر مگر
کل تھا جو، آج باعثِ تاخیر وہ نہیں

○

اک خندۂ دزدیدہ کی قیمت اسے سمجھو
وہ جان بھی مانگے تو غنیمت اسے سمجھو

دیوار سے ٹکراؤ گے سر اور کہاں تک
بیگانۂ احساسِ ندامت اسے سمجھو

کس بات پہ ناشاد ہو آئینۂ دل ہے
گر ٹوٹ گیا ہے تو سلامت اسے سمجھو

کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو تم اے سنگ تراشو
معیارِ ادا و قد و قامت اسے سمجھو

آنکھوں میں جو کوثر ہے ابھی آس کی اک لَو
بس زیست کی اک تنہا علامت اسے سمجھو

○

یاد وہ آئے بار بار آئے
بے حساب آئے بے شمار آئے

حاصلِ زیست ہیں وہی لمحے
جو تری بزم میں گزار آئے

قرض تھی جاں پہ اک نگاہ کرم
دے کے جاں آج وہ اتار آئے

کوئی تو بہرِ تعزیت یارو
بر سرِ مرقدِ بہار آئے

آخری عہد ہی سہی لیکن
کیسے اب دل کو اعتبار آئے

ان کا احسان کم نہیں کوثرؔ
میری تربت پہ اشکبار آئے

○

غم نہیں اس کا کہ دنیا نے نہ پہچانا مجھے
دکھ تو اس کا ہے کہ تُو نے بھی نہیں جانا مجھے

دل میں اب ہمت کہاں لوگوں سے رسم و راہ کی
آج تک بھولا نہیں تیرا بچھڑ جانا مجھے

میں نے کیوں اس دور میں چھوڑا نہ دامانِ خلوص
اب تو بھگتنا پڑے گا اس کا جرمانہ مجھے

آ گیا ہے دیکھتے ہی دیکھتے کیا انقلاب
اپنی صورت آج خود لگتی ہے بیگانہ مجھے

مجھے

۷۵

جب چھلک اٹھتی ہیں وہ آنکھیں سرِ بزمِ خیال
گر کے ہاتھوں سے دعا دیتا ہے پیمانہ مجھے

مجھ میں ہے کوثرؔ مرے بچپن کی اک عادت ابھی
رُوٹھ جاؤں تو بہت مشکل ہے بہلانا مجھے

○

اوقات سے بڑھ کر کوئی خواہش نہ کیا کر
آنے کی یہاں ان سے گزارش نہ کیا کر

عاجز ہوں جو اک خواہشِ مخلوق کے ہاتھوں
ان جھوٹے خداؤں کی پرستش نہ کیا کر

ہم ایسے گداگر ہیں زمانے میں بہت سے
ہر ایک پہ اس درجہ نوازش نہ کیا کر

یا آج ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ جا
یا روز کسی بات پہ رنجش نہ کیا کر

خورشید کی ہمسر ہے تری ذات تو کوثرؔ
محور پہ زمیں کے کبھی گردش نہ کیا کر

ایک دولت کے پجاری کی پرستار بھی ہے
اور پھر مجھ سے محبت کی طلب گار بھی ہے

فہم و ادراک سے بالا ہے یہ اندازِ وفا
تجھ کو اندیشۂ رسوائی بھی ہے پیار بھی ہے

ہر گھڑی اپنی تمنا کی ہے طالب مجھ سے
اور مری شدتِ احساس سے بیزار بھی ہے

ایک اک چہرۂ گُل رنگ بنا ہے قاتل
کوئی ہم دم کوئی مونس کوئی غمخوار بھی ہے؟

کبھی مسجد کبھی مے خانہ کبھی اس کی گلی
دوستو! شب بسری کا کوئی معیار بھی ہے

ہم نے مانا ہے تمھیں ان سے محبّت کوثرؔ
جانِ من! یہ تو کہو جرأتِ اظہار بھی ہے

○

کسی نے چھیڑ دیا ہے جو ذکر دار و رسن
تو آ گیا ہے اسی وقت لب پہ نامِ وطن

ہر ایک گام پہ عصمت دری اصولوں کی
ہر اک مقام پہ ظاہر ہمارا پاگل پن

ملالِ تیرگیِ شب سمجھ میں آتا ہے
کوئی بتائے کہ سورج ہے کیوں مرا دشمن

جہاں کہیں نظر آئے ہیں درد کے رشتے
بکھر گیا ہے وہیں ریزہ ریزہ ہو کے بدن

زمین گول ہے چوکور کیوں نہیں آخر
زمانے بھر سے ہے کوثر جدا تری الجھن

○

میں دوں گا ترا ساتھ اگر پاؤں ہوں شل بھی
تنہا تو نہیں تو اُسے مرے دوست! سنبھل بھی

اُڑ جائے نہ مجھ آتشِ سیّال سے حدّت
اے برف زدہ جسم کسی روز پگھل بھی

ہاں ہم سے نہ کر ترکِ تعلّق کا تقاضا
ہم کرلیں اگر عہد تو کرتے ہیں عمل بھی

کیوں میری ہی دنیا سے گریزاں ہے سویرا
اے میرے مہ و مہر! اندھیروں کو نگل بھی

نفرت کا صلہ، آگ میں جلنے کی سزا ہے
یہ بیج اگر بوؤ گے تو پاؤ گے پھل بھی

کچھ اپنی طبیعت بھی جداگانہ ہے کوثرؔ
کچھ اپنی قدامت سے فسردہ ہے غزل بھی

○

ہر چند ترے عشق میں برباد ہوُے ہیں
خوش ہیں کہ غمِ دہر سے آزاد ہوُے ہیں

تھوڑا سا حساب اپنی جفاؤں کا بھی کر لو
جب آج یہ لب مائلِ فریاد ہوُے ہیں

بیزار ہیں کوثر وہی گھر آج ہمیں سے
جو دم سے ہمارے ہی کل آباد ہوُے ہیں

○

اس عہدِ ستم میں جب ہر شے پہ گرانی ہے
ارزانیٔ خونِ دل جس طرح کہ پانی ہے

ڈھل جائے گا آخر یہ چڑھتا ہُوا سورج بھی
مانا کہ ابھی یارو قاتل پہ جوانی ہے

کیا چیز ہے وہ ظالم انسان کی صورت میں
موجوں کا تلاطم ہے دریا کی روانی ہے

ہر عہد میں ٹکرائے اربابِ جفا سے ہم
ابواب نئے ہوں گے تاریخ پرانی ہے

جس بات پہ اب تک تھی خلوت میں بھی پابندی
وہ بات ہمیں کو تَز جلوت میں اٹھانی ہے

○

دن تو دن رات کا بھی رنگ سنہرا ہوتا
چاند اگر چاند نہ ہوتا ترا چہرا ہوتا

آج گھونگھٹ سے وہ مہتاب نہ ابھرا ورنہ
چاندنی کا یہ فسوں اور بھی گہرا ہوتا

اے مری جاگتی راتوں کے پُراسرار سکوت
تیری آواز نہ سُنتا تو میں بہرا ہوتا

دستکیں دیتے خیال اور بھی دنیا کے اگر
درِ دل پر نہ ترے درد کا پہرا ہوتا

تُو نہ ہوتی اگر اس شہر میں اے نازشِ حسن
قافلہ وقت کا صحراؤں میں ٹھہرا ہوتا

لوگ اس عہد کے راون سے نہ ٹکراتے اگر
کوئی ہولی نہ دِوالی نہ دسہرا ہوتا

تخت اور تاج کا پہرا تھا وگرنہ کوثرؔ
آج وہ ہوتے عدالت کا کٹہرا ہوتا

ہے تقاضائے غمِ جاں آج میخانے کو چل
یعنی[1] "اس شہنازِ لالہ رُخ کے کاشانے کو چل"

وہ کہاں آتی مگر ہم جولیاں کہنے لگیں
آج ہم بھی دیکھ آئیں تیرے دیوانے کو چل

جو بھی تجھ سے تیرے اپنوں نے کیا وہ سب بجا
آزما کر دیکھ اب کے ایک بیگانے کو چل

ہے سکونِ قلب کی تجھ کو جو فرزانے تلاش
شہر کی رنگینیوں کو چھوڑ ویرانے کو چل

دل نہیں لگتا ہے کوثرؔ محفلِ ارشاد میں
پھر اسی جانِ تمنّا کے صنم خانے کو چل

[1] مجازؔ

○

کیا حقیقت میں نہیں تھے یہ سزاوار ترے
کیوں شفایاب نہ ہو پائے یہ بیمار ترے

ابر کیا کیا نہ عنایات کے برسے لیکن
جاں بلب آج بھی ہیں تشنۂ دیدار ترے

ہے ستائش کی تمنّا نہ صلے کی پروا
کس کی قدر سادہ طبیعت ہیں پرستار ترے

تجھ سے کرتے ہیں تقاضا تری تصویروں کا
ہم حقیقت میں اگرچہ ہیں طلبگار ترے

مر گیا کیا ترا شاعر ترا کوثرؔ نیازی
سُونے سُونے سے ہیں کیوں کوچہ و بازار ترے

○

میں نے ہر گام اُسے اوّل و آخر جانا
لیکن اُس نے مجھے لمحوں کا مسافر جانا

میں تو تھا اس کے چمن زارِ محبت کا اسیر
لیکن اس نے مجھے ہر شاخ کا طائر جانا

اس نے اخلاص کے مارے ہُوئے دیوانے کو
ایک آوارہ و بدنام سا شاعر جانا

درحقیقت یہی اعزاز بہت ہے کوثر
دو گھڑی اس نے ہمیں اپنا بظاہر جانا

○

کوئی احسان کبھی مجھ پہ بھی کر کے دیکھو
آج حالات چلو میرے بھی گھر کے دیکھو

تم کو ہر شخص نظر آئے گا اپنے جیسا
تم کبھی مسندِ شاہی سے اُتر کے دیکھو

لاش بن کر اُبھر آنا تو کوئی بات نہیں
ڈوبنے والو! ذرا پہلے اُبھر کر دیکھو

زخم وہ دل پہ لگیں گے کہ خدا یاد آئے
اعتبار آج کسی شخص پہ کر کے دیکھو

○

روک لیتے روک سکتے تھے اگر جذبات کو
مجھ سے کیوں منسوب کرتے ہو تم اب اس بات کو

جو تری قربت میں گزرے تھے ہواؤں کی طرح
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اب تک ان حسیں لمحات کو

کر دیا ہے وقت کی آندھی نے اتنا منتشر
تم بھی یک جا کر نہیں سکتے اب ان ذرّات کو

تم سے کس کافر کو ہے بے اعتنائی کا گلہ
ہم تو دیتے ہیں دعائیں گردشِ حالات کو

میں ابھی زندہ ہوں ہر تہمت اٹھانے کے لیے
تم کوئی الزام کیوں دیتے ہو اپنی ذات کو

ہم ہزاروں زخم کو آثر مسکرا کر سہہ گئے
لوگ دے بیٹھے ہیں اہمیت ذرا سی بات کو

○

سحر کے وقت نہ اُٹھے کوئی اذاں کے لیے
یہ رات میرے لیے ہے نہیں جہاں کے لیے

شہیدِ ناز کوئی اور تھا فسانے میں
ہمارا خون ہُوا زیبِ داستاں کے لیے

دل اس طرح سے ملا ایک شخص سے کوثرؔ
میں اجنبی ہوں بہن بھائی باپ ماں کے لیے

○

کوئی سازش نہ دشمنوں کی چلی
جنگ آخر کو ہم نے جیت ہی لی

وہ جو کہتے تھے ہم کو دیوانہ
ڈھونڈتے پھر رہے ہیں ان کی گلی

آپ آئے تو آفتاب اُبھرا
ہجر کی شب زہے نصیب ڈھلی

ہے تلاشِ نشاطِ روح عبث
یہ وہ دولت ہے جو ملی نہ ملی

برق ہم پہ گری مگر کوثر
شاخِ گل بھی ہمارے ساتھ جلی

پُر امن شہر میں مجھے ہل چل دکھائی دے
اُٹھے ذرا سی بھاپ تو بادل دکھائی دے

عریانیوں کی آخری سرحد گزر چکی
ننگے سروں پہ اب کوئی آنچل دکھائی دے

آنکھوں میں بس گئے ہیں حسیں منزلوں کے خواب
ممکن نہیں تجھے ترا مقتل دکھائی دے

مت دے اسے فریب اب تکمیلِ ذات کا
تیرے بغیر بھی وہ مکمّل دکھائی دے

گزروں بلا جواز بھی کوثر ادھر سے میں
منظر یہی دوبارہ اگر کل دکھائی دے

○

سوچو تو جذبات کے عالم میں یہ کیا کر بیٹھے ہو
جس میں ہے نقصان سراسر وہ سودا کر بیٹھے ہو

کون خسارے میں رہتا ہے وقت تمہیں بتلائے گا
ہم سے نہیں آن جانے میں خود سے دھوکا کر بیٹھے ہو

یہ تو اس کا فضل و کرم ہے اب تک زندہ ہیں ورنہ
تم سے تو جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا کر بیٹھے ہو

میں کہتا ہوں اب بھی ستم کی لاکھوں رسمیں باقی ہیں
تم سمجھے کہ تم اپنا ہر عہد وفا کر بیٹھے ہو

اک دن یوں ہی چلتے چلتے تشنہ لب مر جاؤ گے
وہ تو سراب صحرا ہے جس کا پیچھا کر بیٹھے ہو

آنکھ سمندر، لب صحرا اور چہرے پر ہُو کا عالم
راز چھپانے کی کوشش میں تم چرچا کر بیٹھے ہو

شہر کے ہر رستے پر آنکھیں ہی آنکھیں آویزاں ہیں
کس خوش قسمت کے گھر آنے کا وعدہ کر بیٹھے ہو

تم سے بڑھ کر ہو گا کوثر کون تمھارا دشمن اور
سالوں کی محنت کو پل بھر میں ضایا کر بیٹھے ہو

○

ذہن کی تاریکی سے زباں کی روشنیوں تک آؤ بھی
مجھ پہ جب احسان کرو تو سو سو بار جتاؤ بھی

میری محبت گر تم کو اپنا نہ بنالے تب کہنا
مجھ سے عداوت رکھنے والو کھل کر سامنے آؤ بھی

کوثرؔ دیوانہ ہی ہوگا لیکن شہر کے فرزانو!
اس دیوانے کی باتوں پر غور کبھی فرماؤ بھی

○

اور مجھے کیا دے سکتا ہے بس دو پیار کے میٹھے بول
دوست مری چاہت کو تو دولت کے ترازو میں مت تول

آنکھ سے گر کر مٹی میں مل جانا ان کی قسمت ہے
تو ان کی قیمت کیا جانے یہ موتی تو ہیں انمول،

تجدیدِ پیمانِ محبت کا اب ایک ہی رستہ ہے
میں بھی گریباں میں جھانکوں اور تو بھی اپنے دل کو ٹٹول

آنے والی کل کے بارے میں کل سوچیں گے فی الحال
رات کی رنگینی میں دن کی مایوسی کا زہر نہ گھول

۹۹

اب اس کے دروازے پر دستک دیں گے اس عالم میں
پاؤں سے ننگے گردن میں مالا اور ہاتھوں میں کشکول

مدّت سے مسموم ہوائیں قید ہیں ان دیواروں میں
اس کنوئیں کی تہ سے تم کیا پاؤ گے مت پھینکو ڈول

ان کی حقیقت سے واقف ہیں ہم بھی زمانے والے بھی
اپنے نام نہاد اصولوں کا مت پیٹا کر اب ڈھول

یہ تم کیسے لوگوں کی بستی میں آ نکلے کوثر
جن کی نگاہوں میں نیزے ہیں اور زبانوں پر ترشول

○

انقلابات کی زد میں ہیں پناہیں میری
قتل گاہوں سے ہم آغوش ہیں راہیں میری

اب یہاں کون ستائش کا تمنائی ہے
وہ کسی بات کو ہرگز نہ سراہیں میری

عمر بھر ان کا میں منت کشِ احسان رہوں
میرے احباب جو بہبود نہ چاہیں میری

باریابی کا شرف بخشنے والے سن لے
سامنے تیرے نہ اُٹھیں گی نگاہیں میری

مسکراتے ہُوئے لمحوں کے پجاری کوثرؔ
ڈھونڈتے پھرتے ہیں بازار میں آہیں میری

○

اک مرا خونِ جگر اک ترے رخسار کا رنگ
آج تابندہ ہے جن سے مرے اشعار کا رنگ

حرفِ انکار کو بے رنگ بنا دیتا ہے
تیری آنکھوں سے چھلکتا ہُوا اقرار کا رنگ

کس طرح ہم نے گزاری شبِ وعدہ مت پوچھ
نقش ہے چہرے پہ ہر لمحۂ بیدار کا رنگ

تجھ کو پا کر بھی اُداسی کا وہی عالم ہے
اب بھی دھندلا ہے ہر اک ساعتِ دیدار کا رنگ

لوگ گاہک تو نہیں محض تماشائی ہیں
وہ تو دیکھیں گے فقط دور سے بازار کا رنگ

ہم اگر جان کی بازی نہ لگاتے کوثر
اس قدر شوخ نہ ہوتا رسن و دار کا رنگ

⊙

رو دھو کے آج اس کو تو آخر منا لیا
خود کو مگر خود اپنی نظر میں گرا لیا

کل اس کو پا کے اپنا پتہ پوچھتے تھے ہم
آج اس کو کھو دیا ہے مگر خود کو پا لیا

اس سے بھی اپنے درد کا درماں نہ ہو سکا
اس چارہ گر کو زخمِ تمنّا دکھا لیا!

اب شاخِ گُل سے آ کے گلے بوالہوس ملیں
ہم نے تو آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا

کوثرؔ ہو آج ان سے بھی تم کچھ خفا خفا
ان کو بھی کیا خدا نہ کرے آزما لیا

○

نذر جب میں نے اسے ہدیۂ ایمان کیا
ہنس کے فرمایا کہ جا تجھ کو مسلمان کیا

اپنے ہاتھوں سے کیا دفن ہمیں قتل کے بعد
ہم پہ اس شوخ نے کیا خوب یہ احسان کیا

تیری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں چلنا سیکھا
سفرِ زیست کو اس طرح سے آسان کیا

سیّدہ رضؓ! میں تری اس زندہ کرامت کے نثار
شام میں ان سے عجب ملنے کا سامان کیا

کاش اس شہر میں وہ انجمن آرا ہوتا
روم پہنچے تو بہت دل میں یہ ارمان کیا

نام لے کے ترا حوصلۂ غم مانگا
جب بھی آلامِ زمانہ نے پریشان کیا

چھوڑ دی اس کے لیے ہم نے سیاست کوثرؔ
اس نے ——— پہنچنے کا جو فرمان کیا

○

تیری زلفیں، ترے رخسار، ترے لب میرے
جتنے پہلو ہیں ترے حسن کے وہ سب میرے

اُس سے اب ترکِ محبت کا گِلہ کیا معنی
مجھ کو تسلیم کہ اطوار تھے بے ڈھب میرے

پھر وہی چاند سرِ شہر چڑھے تو اے کاش
اس سے روشن ہوں در و بام بس اک شب میرے

جن کا ہر لمحہ گزرنا تھا مری قربت میں
دور و نزدیک نظر آتے نہیں اب میرے

مجھ سے کترا کے گزر جاتے ہیں دیرینہ رفیق
راستے دیکھتے ہیں سخت کٹھن جب میرے

اب اگر کھل ہی گئے ہو تو چلو یونہی سہی
ورنہ تم دوست تو پہلے بھی رہے کب میرے

کیوں مجھے شدتِ احساس عطا کی اتنی
تجھ سے انصاف کا طالب ہوں میں اے رب میرے

خلق کی سنگ زنی کا ہے یہ کوثر احسان
تہ میں جس کی گئے سب حسن و قبح دب میرے

○

راز دنیا پہ کھُلا ہے یہ ترے قتل کے بعد
لوگ مر کے بھی رہا کرتے ہیں زندہ کیسے

کون کتنا ہے ترے قتل کی سازش میں شریک
اک نہ اک روز نقاب اُٹھے گا ہر چہرے سے

شہر تو محوِ مناجات و دعا تھا پوچھو
حاکمِ شہر نے وہ رات گزاری کیسے

جیسے دراصل ہُوا کرتے ہیں کوثرؔ حالات
بسا اوقات نظر آتے نہیں ہیں ویسے

○

رات بھر رکھے ہیں ہم نے جن کی خاطر در کھُلے
لوگ وہ گھر آئے ہاتھوں میں لیے خنجر کھُلے

غم کا موسم ، رنجشوں کی رُت ، جدائی کا سماں
رفتہ رفتہ میری آنکھوں پر کئی منظر کھُلے

چُن لیا کیوپڈ نے مجھ کو اپنے تیروں کا ہدف
ہائے کس اندھے پہ میری ذات کے جوہر کھُلے

قید سے نکلا ہے اک سایہ سا اپنے جسم کی
شہر والو! آج کی شب چھوڑنا مت گھر کھلے

ایک دنیا سے جو توڑا تُو نے کوثر رابطہ
کتنی دنیاؤں کے دروازے ترے اندر کھُلے

○

دیکھا ہے جب سے اس کو اسی کا خیال ہے
چہرہ وہ عام سا ہے مگر بے مثال ہے

اب کے برس کسی کے سوئمبر کو جیتنا
یارو مری وفا کی اَنا کا سوال ہے

یہ چاندنی یہ رات یہ موسم یہ آب جُو
اے دوست آبھی جا کہ طبیعت نڈھال ہے

مرنا ترے بغیر بھی امکان میں نہیں
جینا ترے بغیر بھی کارِ محال ہے

دار و رسن کی بات پہ بولا تمام شہر
کوثر سے چل کے پوچھیے اب کیا خیال ہے

○

ترے فراق میں جو بارہا گزاری ہے
ہمیں وہ رات شبِ وصل سے بھی پیاری ہے

محبّتوں کے یہ انجام کتنے یکساں ہیں
کسی نے جان کسی نے زبان ہاری ہے

کھلیں گے پھول سرِ دشتِ آرزو لیکن
ذرا سا خونِ جگر شرطِ آبیاری ہے

کریں تو اہلِ ہوس اب کے جرأتِ تقلید
کہ ہم نے جان سرِ کوئے یار واری ہے

سکونِ دل کے تقاضے بدل گئے شاید
وہ سامنے ہیں مگر پھر بھی بے قراری ہے

نہیں ہے حرفِ شکایت زبان پر کوثر
کہ پاسِ وضعِ رہ و رسمِ دوستداری ہے

○

تم سے انداز شکایت کا جدا رکھا ہے
ہم نے انصاف قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے

لاکھ طوفان اُٹھے لاکھ بگولے ناچے
تیری یادوں کا دیا پھر بھی جلا رکھا ہے

یہ بھرا شہر ہے میرے لیے صحرا کی طرح
اب ترے بعد ترے شہر میں کیا رکھا ہے

دے اُٹھے لَو نہ وہ اب شعلۂ سوزاں بن کر
داغ مدّت سے جو سینے میں چھپا رکھا ہے

ہم سے برہم ہیں فقط اس لیے دنیا والے
نام کیوں اس بُتِ کافر کا خدا رکھا ہے

اشک اُمڈیں تو یہ برسات ہے دنیا کے لیے
آہ کا نام زمانے نے ہوا رکھا ہے

کون بچھڑا نہیں دنیا میں کسی سے کوثرؔ
تم نے حُلیہ ہی عجب اپنا بنا رکھا ہے

نظمیں

سال گرہ کا تحفہ

ایک نغمہ سا مری روح میں گونج اُٹھا ہے
آہ! پت جھڑ میں کہاں صوتِ ہزار آئی ہے
آئی فرقت میں تری سال گرہ کی تقریب
"ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے"

شبِ ہجراں کی قسم، فرقتِ جاناں کی قسم
میری دُنیا سے گریزاں ہے اُجالا کب سے
دیدہ و دل بھی نہیں پاس کہ اب نذر کریں
ہو چکے وہ تو نثارِ رُخِ زیبا کب سے

جس کی قیمت زر و جوہر سے لگائی جائے
دوستی کا تو وہ پیمانہ نہیں ہو سکتا
میرے اشکوں ہی کا ناچیز سا تحفہ ہو قبول
ان سے بہتر کوئی نذرانہ نہیں ہو سکتا

اوّلیں دید کی ساعت ہے مری سال گرہ
مجھ کو وہ پہلی ملاقات نہ بھولے گی کبھی
یہ کٹھن وقت بہر طور گزر جائے گا
زندگی تیری حسیں باہوں میں جھولے گی کبھی

ٹیمز کے پاس وہ گل گشتِ شبانہ ہائے
کسی صورت بھی فراموش نہیں ہو سکتی
یادِ محبوب جو پیوست رگِ جاں ہو جائے
صرف جذبات کا سرجوش نہیں ہو سکتی

ہر طرف لاکھ اندھیروں کی عملداری ہو
ان سے سورج کی مگر ضَو تو نہیں بجھ سکتی
موم بتّی تو بجھا دیں گے بجھانے والے
تیری چاہت کی مگر لَو تو نہیں بجھ سکتی

درخواست

رسن و دار دکھا، حلقۂ زنجیر دکھا
تیرے امکاں میں ہے دہشت کی جو تصویر دکھا
ہم نے اس سے بھی بڑا جبر سہا ہے جاں پر
جو نہ دیکھے ہوں کبھی وہ تبر و تیر دکھا
بے سر و پا سی حکایات کا طوفان نہ اٹھا
عقل تسلیم کرے جس کو وہ تقصیر دکھا
ہر مسیحا سے زمانے نے کیا ہے یہ سلوک
غمِ تخریب نہ کر کاوشِ تعمیر دکھا
قوم کے ساتھ کیا جس نے بھی جو کچھ نہ چھپا
سازشِ میر دکھا مصلحتِ پیر دکھا

جو یزیدی ہیں نبھائیں گے روایت اپنی
تُو حسینی ہے تو رسم و رہِ شبّیر دکھا

ہم نے تسلیم کیا تہمتِ بے ہنری کو
ہنر اپنا کوئی اے صاحبِ تدبیر دکھا

اختیارات ترے پاس حکومت تیری
اپنے وعدوں کو نبھا خواب کی تعبیر دکھا

بیادِ فاروق

دراصل حدِّ نظر سے گزر گیا ہے وہ
یقین کون کرے گا کہ مر گیا ہے وہ

خفا ہُوا تھا کسی ایک شخص سے لیکن
تمام شہر کو ویران کر گیا ہے وہ

نہیں ہے سامنے لیکن برنگِ بادِ نسیم
ہر ایک راہگزر میں بکھر گیا ہے وہ

تمام عمر رہے گا وہ میری سانسوں میں
چلا گیا ہے مگر نام کر گیا ہے وہ

زمیں تھی اس کے لیے تنگ اس قدر کوثرؔ
سمندروں کی تہوں میں اُتر گیا ہے وہ

بحرِ مردار کے کنارے پر

ایک موہوم سے سہارے پر
اپنے محبوب کے اشارے پر
بحرِ مردار کے کنارے پر
زندگی کو تلاش کرتا ہوں
زندگی کو تلاش کرتا ہوں!
بحرِ مردار کے کنارے پر

جس جگہ زندگی نہیں ہوتی
کوئی روئیدگی نہیں ہوتی
پھر بھی شرمندگی نہیں ہوتی
اپنے محبوب کے اشارے پر
ایک موہوم سے سہارے پر
بحرِ مردار کے کنارے پر
زندگی کو تلاش کرتا ہوں

ٹیلیفون پر

اللہ اللہ یہ رفعتِ پرواز
جنتِ گوش ہے تری آواز

فاصلے قربتوں سے ہم آغوش
فرقتوں میں وصال کے انداز

ان سے مل کر یقیں ہُوا کوثرؔ
خاکِ اجمیر ہے غریب نواز

آج کی رات

میری آنکھوں سے برستے ہیں گہر آج کی رات
دشتِ غربت میں لُٹا دل کا نگر آج کی رات

اس کے سینے میں تلاطم میری آہوں میں خروش
سُوئے ــــ ہُوا عزمِ سفر آج کی رات

میری آنکھوں میں ستاروں کے سوا کچھ بھی نہیں
خود اندھیروں میں ہے وہ رشکِ قمر آج کی رات

جن میں اس روئے دل آرا کی چمک شامل تھی
کون دیکھے گا وہ انوارِ سحر آج کی رات

بختِ بیدار ہمیشہ کے لیے مجھ پہ حرام
ایک لحظہ بھی میں سویا ہوں اگر آج کی رات

عارضی ہو یہ جُدائی تو میں سہہ لوں کوثر
عمر ساری ہی نہ بن جائے مگر آج کی رات

